جناب مولانا محمد شمیم صاحب مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ

علامہ رحمت اللہ کیرانوی

کی یاد میں

مذاکرۂ علمیہ

——— صد سالہ تقریبات کا خطبۂ افتتاحیہ ———

دیوبند کے اجلاس صد سالہ کے بعد ۱۶ اپریل کو دہلی میں جنگ آزادی کے عظیم مجاہد رد مسیحیت کے جلیل القدر سپاہی اور عیسائی مشنریوں کے ممتاز فاتح اور مناظر مکہ مکرمہ کے اہم مرکز علوم مدرسہ صولتیہ کے بانی حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ (بانی حرمین) کی علمی و دینی خدمات کی یاد میں یک روزہ سیمینار منعقد ہوا جسکی دو نشستوں میں اسلامیان ہند کی نمائندگی کرنے والے اہم اکابر نے مولانا مرحوم کو مختلف عنوانات سے خراج عقیدت پیش کیا۔ علامہ قاری محمد طیب مدظلہ، مولانا محمد اسعد مدنی، مفتی عتیق الرحمان عثمانی، مولانا سعید احمد اکبر آبادی مولانا حامد الانصاری غازی، خواجہ حسن نظامی، مولانا محمد یوسف امیر جماعت اسلامی اور ایسے کئی اعیان و افاضل موجود تھے۔ اس تقریب کے منتظم مشہور مبلغ و مناظر مولانا شرف الحق صابریؒ کے فرزند مولانا امداد صابری تھے۔ اور مہمان خصوصی بلکہ رونق محفل و شمع بزم ہمارے مخلص محترم دوست اور حضرت کیرانوی قدس سرہ کے حفید رشید مولانا محمد شمیم صاحب مہتمم مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ تھے جو ان تقریبات کے لئے حجاز سے تشریف لائے تھے اور مہمان خصوصی سے بڑھ کر میزبان بھی تھے۔ چند ماہ قبل اس ناچیز کو بھی اس میں شمولیت کا دعوت نامہ ملا تھا، مگر شرکت کا تو خواب و خیال میں بھی نہیں تھا کہ اتنے میں اجلاس صد سالہ دیوبند کی برکات سے اس میں حاضری کا بھی حسن اتفاق میسر آیا۔ پہلی نشست میں آخر تک رہا، دوسری نشست میں اس ناچیز کی تقریر کا بھی مولانا محمد شمیم نے اعلان کیا مگر دوسرے دن علی الصباح سفر ہند سے مراجعت کی تیاری میں مصروفیت کی وجہ سے تعمیل حکم نہ کر سکا جسکی معذرت بھی آج متعلقہ حضرات سے ان سطور کے ذریعہ ہی کر رہا ہوں۔ حضرت علامہ رحمت اللہ کیرانوی بھی بقول مولانا قاری محمد طیب مدظلہ ان اکابر میں سے تھے جنہوں نے تیرھویں صدی میں چودھویں صدی کیلئے دین کے تحفظ اعلاء و اشاعت حق کا انتظام کیا۔ رد مسیحیت تعلیم دین کے تحفظ و ترویج اور ایسے کئی امور میں حضرت مولانا محمد قاسمؒ اور ان کے درمیان ایسی یکسانیت اور مماثلت پائی جاتی ہے کہ گویا دونوں ایک مٹی سے بنے ہوں۔ مولانا کی تصانیف (جنکی نمائش کا بھی اس موقع پر انتظام تھا۔ ازالۃ الاوہام، ازالۃ الشکوک، اظہار الحق اور اعجاز عیسوی وغیرہ عجیب و غریب علمی خزانے ہیں ہم جیسے پسماندۂ علم و عمل لوگ چودھویں صدی کو الوداع کہتے ہوئے پندرھویں صدی کا انتظام تو کیا کر سکیں گے! یہ بھی غنیمت ہوگا کہ ایسے اکابر علم و فضل کے علمی عملی کارناموں کا تعارف پندرھویں صدی کو منتقل کیا جا سکے۔ اور اس لحاظ سے ایسے یادگار سیمینار بے حد ضروری ہیں۔ اس موقع پر مہمان خصوصی برادر مکرم مولانا محمد شمیم کا خطبۂ افتتاحیہ نذر قارئین ہے ——— (سمیع الحق)

تاریخِ اسلام کی پرنور شاہراہ پہ بزرگانِ دین اور اکابرِ ملّت کا جو مقدس قافلہ روزِ اوّل سے گامزن ہے۔ الحمدللہ ان کے وجودِ گرامی اور ان کے فیض سے ہر جگہ رشد وہدایت کے چراغ جگمگا رہے ہیں۔ جانے والے چلے گئے۔ مگر اپنے بعد اپنے کارناموں اور قربانیوں کے ایسے پائندہ آثار ونقوش چھوڑ گئے جو الحمدللہ پوری امت کے لئے باعثِ خیر وبرکت اور آنے والی نسلوں کے لئے مشعلِ نور وہدایت ثابت ہورہے ہیں۔ اور ہر جگہ اُن کے فیوض وبرکات سے ایمان کے احیاء امت کی بقاء اور اسلام کی تقویت کے نقشے وجود میں آرہے ہیں وقت گزرنے کے ساتھ دلوں میں احساس وشعور کی مشعلیں فروزاں ہورہی ہیں۔ قلوب میں ایمان تازہ ہورہا ہے۔ اپنے عظیم بزرگوں سے روحانی وتاریخی تعلق مستحکم ہورہا ہے۔ رحمت خداوندی نے اپنے دین متین کی حفاظت کیلئے نفوسِ قدسیہ کا انتخاب کیا۔ رحمۃ للعالمین کی نیابت کا فخر ان کو حاصل ہوا۔ اور اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مسلمانوں میں جب تک اپنی تاریخ اور اپنے عظیم بزرگوں کے کارناموں کے احیاء کا جذبہ باقی ہے۔ انشاء اللہ امّت کی بقاء اور پھلنے پھولنے کا امکان بھی باقی ہے۔

ایک وہ وقت تھا جبکہ اسی دہلی کی سرزمین پر مسلمانوں کے اقتدار کا آفتاب غروب ہورہا تھا۔ سامنے لال قلعہ جو صدیوں تک ہماری عظمتوں کا امین رہا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ اس کے پتھروں کی سرخی اس کی اپنی سرخی نہیں رہی۔ بلکہ ہمارے بزرگوں اور اہلِ وطن کے خون کی سرخی اس کے پتھروں میں منتقل ہوگئی ہے۔ لال قلعہ اسم بامسمیٰ بنکر تباہی وبربادی کے المیہ میں شریکِ حال ہونے کو سرخ ہوگیا ہے۔ کمپنی بہادر کے فرزند سوداگری کا لبادہ اتار کر سیاہ وسفید کا مالک بن کر اہلِ ہند کی قسمتوں کا فیصلہ کررہے تھے۔ یہی جمنا ہے جس کے کنارے ہمارے بزرگوں علماء مشائخ اور عام مسلمانوں کو تختہ دار پہ لٹکایا جارہا تھا۔ اور ان کا خون جمنا کی ریت اور جمنا کے پانی میں مل کر ایسی روشنائی بن رہا تھا جس سے لکھی جانے والی تاریخ مستقبل میں حقیقی عظمتوں کا ترجمان، ایمان کی سربلندیوں کی امین اور تاریخ کے اعتبار سے ہمہ گیر اہمیتوں کی حامل ہوگی اور مسلمانوں کو رہتی دنیا تک انقلاب اور اسلام کے لئے جان دینے کی دعوت دیتی رہے گی۔

۱۸۵۷ء میں فرنگی کا جاہ وجلال اپنے عروج میں تھا۔ اس کے سر پہ اسلام اور مسلمانوں سے نسبت رکھنے والے ہر وجود کو ختم کرنے کا بھوت سوار تھا۔ اپنی حکومت کے استحکام کے لئے بڑے سے بڑے خوفناک اقدام کے لئے وہ تیار تھا۔ بابر کی فتوحات ہمایوں کی طالع آزمائیاں، اکبر کی ہمہ گیریاں، جہانگیر کی عدل آرائیاں۔ شاہجہان کی شاہ جہانیاں اور عالمگیر کی عظمت وجلال فرمائیاں۔ عالمِ اقتدار سے اپنی بساطِ زندگی کو سمیٹ کر تاریخ کے صفحات میں پناہ لے رہی تھیں۔ بساط الٹ چکی تھی۔ نیا حاکم اپنی حکومتی طاقت واقتدار کے ساتھ اپنے مذہب کی اشاعت اور اسکو مغلوب ملک اور قوم پر مسلّط کرنے کے لئے ہر سنگین اقدام کے لئے

تیار تھا۔ اقتدار اور حکومت کی لائن سے اس کا مقابلہ چونکہ مسلمانوں سے تھا اور ہمارے حساس اور جانباز علماء اور امراء و حکام روز اول ہی سے خطرہ کی بو سونگھ کر سینہ سپر ہو گئے تھے۔ جگہ جگہ تیغ و سناں کے میدانِ کارزار گرم تھے۔ حکومتی اقتدار و تسلط کے ساتھ برطانیہ سے عیسائی مشنری اور مذہبی جماعتوں کی بہت بڑی تعداد اس تیاری اور عزم کے ساتھ یہاں لائی گئی تھی کہ حکومتی تسلط کے شانہ بشانہ تبلیغِ عیسائیت کا کام بھی زور و شور کے ساتھ جاری رہے اور ایک مغلوب قوم اور ملک کو اس کے اقتدار سے محروم کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے دین و مذہب پر بھی ایسی کاری ضرب لگائی جائے کہ عیسائی مذہب و ملت اور نصرانی تسلط کے سامنے کوئی بھی دوسرا مذہب یا عقیدہ باقی نہ رہے۔ چنانچہ یہ خطرناک صورتِ حال ہمیں انقلاب ۱۸۵۷ء کے تذکروں تصانیف اور حالات میں شرح و بسط کے ساتھ ملتی ہے۔ اور ہماری برِصغیر کی ایک سو سالہ تاریخ کا بھی سنگِ بنیاد اور خشتِ اول ہے۔ اجنبی غاصب اور فرنگی حاکم کی پشت پناہی کے بل بوتے پر عیسائی مبلغین کی چیرہ دستیوں اور شورشوں کا سلسلہ گرم اور دراز ہوتا جا رہا تھا۔ انکی جماعتیں مسلمانوں کو گمراہ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ رہنے دیتیں۔ حساس ذہن رکھنے والے مسلمانوں کی بھی کمی نہیں تھی۔ مگر حالات کے سامنے لاچار و بےبس تھے۔ اور علماء کے پاس ردِ عیسائیت اور پادریوں سے دلائل و براہین کے میدان میں دو دو ہاتھ کرنے کے لئے علمی و تحقیقی سرمایہ نہ تھا۔

اس مضمون کے ذریعہ مجھے حالات کا جائزہ لینا نہیں بلکہ اس دور کے جلیل القدر اور عظیم المرتبت علمائے دین اور مجاہدین عظام کی قابلِ احترام بابرکت فہرست میں جس شخصیت کا نام سرِ فہرست ہے۔ اور اس پوری صدی کے تمام تاریخی مواد میں ہر جگہ نہایت اہمیت و عظمت اور اعترافِ حقیقت کے ساتھ ان کا نام لیا جاتا رہا ہے۔ اور جن کو عیسائیت کیساتھ علمی و تحقیقی جنگ میں سب اہلِ علم اور اربابِ تصنیف و تالیف اور جماعتِ علماء نے امام المناظرین اور فاتحِ نصرانیت تسلیم کیا ہے۔ وہ حضرتِ اقدس مولانا محمد رحمت اللہ صاحب کیرانوی رحؒ کی ذاتِ گرامی ہے، جو اس خطرناک زمانہ میں عیسائی مشنریوں کے سر پہ شمشیر بن کر چمکی۔ اسلام کے تحفظ کی خاطر فرنگیوں کے مقابلہ میں سینہ سپر رہی۔ ابطالِ تثلیث اور نصرانیت کی سرکوبی کے لئے تقریباً دس ضخیم و بےمثال کتابیں اردو، فارسی، عربی میں تصنیف کیں۔ رب العزت کی تائید و نصرت کے زیرِ سایہ ایمانی عزم و ہمت کیساتھ اکبرآباد (آگرہ) میں عیسائیت کے سب سے بڑے علمبردار اور پورے ہندوستان میں مسیحی جماعتوں اور مشن کے سربراہ اور فتنہ مجسم پادری فنڈر اور اسکی جماعت سے مناظرہ کے میدان میں مقابلہ کر کے اور اسکو اور اسکی جماعتوں کو شکستِ فاش دی کہ تیسرے دن مناظرہ کی فیصلہ کن مجلس میں حاضر ہونے کی بجائے گزشتہ دو روز کی ہزیمت و مغلوبیت کے شب کی تاریکی میں فرار ہو نے اپنی عزت بچانے ہی

میں خیر سمجھی جس کے بعد اجتماعی طور پر علی الاعلان پادریوں کو مسلمان علماء کے سامنے آنے کی ہمت نہ ہوئی چنانچہ مناظرہ کے بعد عام مسلمانوں اور علمائے کرام میں بھی اپنے دین کا دفاع کا تصور بیدار ہوا۔ جگہ جگہ جہادی تنظیمیں اور دینی لائن سے دفاعی صورت حال وجود میں آنا شروع ہو گئیں۔ علمائے اسلام نے عیسائی لٹریچر کا مطالعہ شروع کیا۔ اس وقت پورے ہندوستان میں حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب ہی کی ذات گرامی تھی جو مرجع تھی۔

اس مضمون کے ذریعہ حضرت مولانا رحمت اللہ کی عظیم شخصیت کے مختلف پہلوؤں اور انفرادی حیثیتوں سے موجودہ دور کے مسلمانوں اور نوجوانوں کو متعارف کرانا ہے۔ تمام بزرگان دین کے حالات میں جو خاص چیز قدر مشترک ہے، وہ ان کا خلوص، للہیت اور زہد فی الدنیا اور اپنے دین کی بقاء احیا کے لئے فنائیت ہے۔ اکابر امت اور بزرگان دین میں اس قدر مشترک کے علاوہ ہر ایک کا اپنا علیحدہ مقام رہا ہے۔ اس زمانہ کے حالات و واقعات اور ضرورت کے مطابق مشیت الٰہی نے اس کے لئے جو راہ متعین فرما دی۔ اس میں وہ اپنی جگہ چاند اور سورج بن کر چمکا اور ان کا فیض جاری و ساری رہا۔

اس قاعدہ کلیہ کو سامنے رکھتے ہوئے زیر بحث و تعارف ہستی حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کی شخصیت کو اگر دیکھا جائے تو ہمیں متعدد پہلو نظر آئیں گے کہ رب العزت نے ان کو بیک وقت پوری زندگی میں کن کن خدمات اور مقاصد کے لئے قبول فرمایا اور انہوں نے باری تعالیٰ کی تائید و توفیق کیساتھ اسلام کی سربلندی، مسلمانوں کی فلاح و بہبود، دین متین کی خدمت، علوم محمدیہ کی اشاعت، جہاد فی سبیل اللہ اور توحید و رسالت کی حفاظت و پاسبانی اور عقائد اسلام کے احیاء کے لئے کیا کارہائے نمایاں انجام دئے۔ یہ مختصر مضمون انہیں پہلوؤں کا تعارف ہے مفصل تاریخی تذکرہ نہیں۔

علمائے ہند کی درخشاں تاریخ اور نورانی فہرست میں اپنی اپنی خصوصیات کے ساتھ اپنے میدان عمل و خدمت میں نامور و عظیم علماء کے تذکروں اور وجود سے کہکشان عظمت کی شاہراہ جگمگا رہی ہے۔ مگر رحمت باری کی جانب سے حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کو جو مایہ الامتیاز انفرادیت عطا ہوئی اور ان کی شخصیت اور ہستی میں جو خصوصیات اور متعدد پہلو قدرت نے ودیعت فرمائے وہ ان کو یکتائے زمانہ کہلانے کیلئے کافی ہیں۔

۱۔ انقلاب ۱۸۵۷ء میں اسلام کے تحفظ و بقاء دین محمدی کے دفاع کے میدان میں ان کی خدمات کا اجمالی تذکرہ آچکا ہے کہ کسطرح اللہ تعالیٰ نے میدان مناظرہ میں آپ سے مسیحی جماعتوں کی شکست و ریخت کا کام لیا جس کے بعد ۲۔ صرف مولانا ہی ہیں جو ترک وطن پر مجبور ہوئے۔ نام بدل کر دو سال تک صحراؤں اور جنگلوں میں گزار کر ۶ ماہ کا بحری سفر طے کر کے رب کعبہ کی پناہ میں مکہ معظمہ پہنچے۔ مکہ معظمہ پہنچنا تھا کہ رحمت خداوندی

کے دروازے کھلے اور آپ کے لئے خدمتِ دین کے ایسے اسباب پیدا ہوئے۔ جو سراسر اعزاز و تکریم کی لائن سے تھے۔ ۳ مکہ معظمہ کے شیخ الاسلام اور شیخ العلماء کی جانب سے صحنِ حرم میں درس و تدریس کا جو اعزاز بخشا گیا وہ بحیثیت ایک ہندی عالم کے سب سے پہلے آپ کے لئے تھا۔ ۴ ہندوستان میں انگریزی حکومت کے مظالم کی خبریں ترکی پہنچیں اور حکومتِ برطانیہ نے پادری فنڈر کو ترکی میں دینِ مسیحی کی تبلیغی خدمت پر مامور کرکے بھیجا۔ پادری فنڈر نے ترکی میں جو زہر افشانیاں شروع کیں اور مسلمانِ ہند کے خلاف غلط افواہیں پھیلائیں، تو سلطان عبدالعزیز بے قرار ہو گئے اور فوراً گورنر مکہ اور شیخ حرم کے ذریعہ حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کو بحیثیت سرکاری مہمان ترکی طلب فرمایا۔ آپ کے ترکی پہنچتے ہی پادری فنڈر نے بھی نہایت خاموشی کے ساتھ راہِ فرار اختیار کی۔ جس سے از خود سلطان معظم کو حالات کا اندازہ ہو گیا۔ سلطان نے کمال التفات و مراحم خسروانہ سے حضرت مولانا کا اعزاز و اکرام فرمایا۔ چھ ماہ تک شاہی مہمان صرف اس لئے رکھا کہ اسلام اور عیسائیت کے درمیان مختلف فیہ مسائل پر ایک جامع کتاب تصنیف فرمائیں اور ترکی میں عیسائی مشنریوں کے زہریلے پروپیگنڈے اور پادریوں کی منہ شگافیوں اور ان کی تبلیغی سرگرمیوں کی روک تھام میں رہنمائی و تعاون کریں۔

چنانچہ حضرت مولانا نے ترکی کے شاہی قیام میں اپنی بے مثال کتاب اظہار الحق تصنیف فرمائی۔ دقتِ فکر اور استحضارِ علم کی یہ نادر مثال ہے کہ پانچ ماہ کے اندر حضرت مولانا نے ردِ عیسائیت میں اس قدر عظیم کتاب تالیف فرمائی جس کا جواب آج تک مسیحی دنیا نہ دے سکی اور جو اثباتِ توحید و رسالت میں سنگِ میل کا حکم رکھتی ہے۔ اور بلادِ اسلامیہ عربیہ میں اس سو سال کے عرصہ میں تمام علماء اور اہلِ فکر کا مستند ماخذ و مرجع رہی ہے۔ اظہار الحق کے انگریزی، فرانسیسی، جرمنی، ترکی اور اردو زبانوں میں تراجم ہوئے۔ اردو میں اس کا تازہ ترین ترجمہ "بائبل سے قرآن تک" کے نام سے دو ضخیم جلدوں میں دس سال قبل حضرت علامہ مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ بانی دار العلوم کراچی کی زیرِ پرستی مولانا اکبر علی صاحب مرحوم اور فاضلِ جلیل مولانا محمد تقی صاحب عثمانی نے کیا۔ یہ ترجمہ قادیانیت اور عیسائیت کے مقابلہ میں کام کرنے والوں کے لئے ایک مستند ہتھیار ہے۔ جسکو رب العزت نے بے حد مقبولیت عطا فرمائی۔

موجودہ زمانہ میں اللہ تعالیٰ ہمارے علمائے کرام اہلِ مدارس اور رجالِ فکر و قلم کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے اور ان کی عمر و عزائم میں برکت عطا کرے کہ ایک صدی گزرنے کے بعد وہ اسلام کے دفاع، عقیدہ کے تحفظ اور رسالت و نبوت کے پاکیزہ پیغام کی نشر و اشاعت کے لئے اظہار الحق کو ہی بنیادی ماخذ و مرجع تسلیم کر رہے ہیں۔ بلادِ عربیہ کی مختلف یونیورسٹیوں اور کالجوں میں تقابلِ ادیان اصول الدین اور شریعتِ اسلامیہ سے متعلق مضامین

میں اظہار الحق کا مطالعہ لازمی قرار دیدیا گیا ہے۔ ریاض میں جامعۃ الامام محمد ابن سعود الکبیر میں ایک فاضل مصری پروفیسر علامہ ڈاکٹر احمد حجازی پانچ ہزار ریال ماہانہ مشاہرہ پہ اظہار الحق کا درس دے رہے ہیں اور یہ بے مثال کتاب داخل نصاب ہے۔

چند سال قبل حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی سابق شیخ التفسیر دار العلوم دیوبند حج کے لئے مکہ معظمہ تشریف لائے۔ مولانا کا علمی و تحقیقی مقام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ مولانا مرحوم نے متعدد بار حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کے علمی مقام اور تصانیف کے متعلق گفتگو فرماتے ہوئے حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیریؒ کے یہ ملفوظات نقل فرمائے کہ توحید و رسالت کو جس بالغ نظری اور دقت فکر کے ساتھ مولانا رحمت اللہ صاحب ثابت کر گئے ہیں اور اس سے متعلق جس قدر وہ جمع کر گئے ہیں۔ وہ لایأتی الزمان بمثلہ کا مصداق ہیں۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ قادیانیت کے مقابلہ میں جب علامہ کشمیری میدان میں آئے تو آپ کے مطالعہ میں حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کی تصانیف اظہار الحق، ازالۃ الاوہام، ازالۃ الشکوک اور اعجاز عیسوی کثرت سے رہا کرتی تھیں۔ ان کتابوں کا مطالعہ بہت اہتمام سے فرماتے اور حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کے لئے دعائے خیر ان الفاظ میں فرماتے کہ "اللہ مولوی رحمت اللہ کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ ان کی کتابیں عقائد اسلامیہ کے تحفظ میں اپنی مثال آپ ہیں۔ خدانخواستہ وقت پڑنے پر ہمارے علماء کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔"

غلام احمد قادیانی کے بعض افتراآت کے جواب میں ایک دفعہ نہایت جوش کے ساتھ والہانہ انداز میں فرمایا کہ "مجھے تو یقین ہو چلا ہے کہ مولوی رحمت اللہ کی کتابیں الہامی ہیں۔

مولانا ادریس صاحب نے مزید فرمایا کہ ردِ عیسائیت کے موضوع پر سب سے پہلے علامہ ابن تیمیہ نے ابتداء کی مگر ۱۸۵۰ء تک ان کی تصانیف کم از کم برصغیر میں غیر معروف اور غیر مطبوعہ تھیں۔ ہند کے قطب خانے ان سے یکسر خالی تھے۔ اور اب بھی ان کا کوئی خاص تعارف نہیں۔ اس موضوع پر حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب نے اپنی تحقیق اور محنت سے جو مواد فراہم کیا اور ضخیم کتب اور متعدد رسائل تصنیف فرمائے۔ بلا مبالغہ وہ اس میدان میں دوسرے ابن تیمیہ ہیں۔

اس وقت متعدد دینی و تبلیغی و اشاعتی اداروں کی طرف سے اظہار الحق پر کام ہو رہا ہے اور اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ ضرورت ہے کہ پاک و ہند میں علمائے کرام ازالۃ الاوہام فارسی، ازالۃ الشکوک، اور اعجاز عیسوی اردو پر توجہ مبذول فرمائیں کہ جدید تقاضوں کے مطابق اسلام کے اس دفاعی سرمایہ کو عام کرنے کی اور ہر طبقہ میں پہنچانے کی بے حد ضرورت ہے۔ حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کی تصانیف میں ازالۃ الاوہام فارسی، ازالۃ الشکوک دو ضخیم جلدوں میں اور اعجاز عیسوی بہ زبان اردو قدیم ہندوستان کے اس دور میں لکھی گئیں

جب حضرت مولانا عیسائیت کے خلاف پادریوں کے مقابلہ میں صف آرا تھے۔ یہ سب کتابیں اور رسائل ہندوستان میں تالیف ہوئیں اور یہیں کے مختلف مطابع سے شائع ہوئیں۔

اظہار الحق کی تکمیل قسطنطنیہ (ترکی) میں ہوئی۔ وہیں سلطان عبدالعزیز کے حکم سے عربی میں طبع ہوکر تمام بلاد عربیہ میں تقسیم کی گئی اور سلطان ہی کے حکم سے متعدد زبانوں میں اس کے تراجم ہوئے۔

حضرت مولانا کی ان بے مثال خدمات اور عقیدت ومحبت کا اعتراف کرتے ہوئے خلیفۃ المسلمین سلطان عبدالعزیز نے حضرت مولانا کو عظیم الشان دینی خطاب اور رتبہ "پایہ حرمین الشریفین" عطا فرمایا۔ یہ عظیم بابرکت خطاب صرف انہیں علمائے اجلاء اور مجاہدین عظام کے لئے تھا۔ جنکی خدمات اسلام اور مسلمانوں کے لئے بے حد عظیم اور وقیع ہوں۔ اسی کے ساتھ "تمغۂ مجیدی" درجہ دوم اور مرصع تلوار بھی عطا کی گئی اور مکہ معظمہ میں گورنمنٹ مکہ کی مجلس شوریٰ کے اعزازی رکن نامزد کیے گئے۔

شاید اس حقیقت کا اعتراف و اظہار غلط نہ ہوگا کہ برصغیر یا سرزمین ہند کے علماء میں حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب ہی وہ واحد ہستی ہیں جنکو سلاطین وقت کیطرف سے یہ مراتب عالیہ مرحمت ہوئے اس کے بعد دوبارہ مزید سلطان عبدالحمید کے دورِ خلافت میں قسطنطنیہ طلب فرمائے گئے۔ اکثر وبیشتر سلطان معظم عشاء کی نماز کے بعد مولانا کے ساتھ تخلیہ میں اہم معاملات پر گفتگو فرماتے۔ حضرت مولانا کی بینائی کافی کمزور ہوگئی تھی قدیم آدابِ مجلس کے مطابق چونکہ جوتے دروازے پر چھوڑنے کا دستور تھا۔ اس لئے مجلس سے رخصت ہوتے ہوئے حضرت مولانا کو جوتے ٹٹولنے پڑتے تو اکثر سلطان معظم سبقت فرماکر اپنے ہاتھ سے مولانا کے جوتے سامنے لاکر پہنانے پر اصرار کرتے۔ ایک بار سلطان جوتا پہنانے کو جھکے تو حضرت مولانا نے آبدیدہ ہوکر سلطان کو اس سے باز رکھنا چاہا۔ تو سلطان نے حضرت مولانا کے ہاتھ کو بوسہ دیکر فرمایا کہ "جب سے ہم نے علماء کے جوتے سیدھے کرنے چھوڑ دیئے ہم پر جوتے پڑنے لگے"۔

یہ واقعہ اختصار کے ساتھ حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے اپنی کتاب "مسلمانوں کا نظامِ تعلیم" میں حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ کے حوالہ سے نقل فرمایا ہے۔ ردِ عیسائیت کے موضوع پر چونکہ حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ کو حضرتِ اقدس مولانا رحمت اللہ صاحب سے مکہ معظمہ میں طویل شرفِ تلمذ حاصل رہا ہے اور ہندوستان آنے کے بعد بھی آپ نے استاد ومربی سے مراسلت کا سلسلہ جاری رہا۔ حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کا مفصل مکتوب گرامی حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ کے نام حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے خود مشاہدہ فرماکر اس کا اقتباس اپنی مذکورہ بالا کتاب میں شائع فرمایا۔

اب سے ایک سو سال قبل ارضِ پاک میں علومِ دینیہ کی تدریس عام کتبِ حدیث وتفسیر وفقہ ونحو

وغیرہ علومِ نقلیہ تک محدود تھی۔ حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب نے جب کعبہ معظمہ کے سامنے صحنِ حرم میں مسندِ تدریس سنبھالی تو آپ نے اپنی فکر ثاقب اور بالغ نظری سے یہ مشاہدہ فرمایا کہ یہاں کی تدریس محض قال المصنّف وقال الشارح کی حد تک عام سطحی طریقہ یہ ہے۔ یہاں کے علماء علم الکلام، علم المناظرہ، منطق فلسفہ ہیئت اقلیدس وغیرہ سے اگر قطعی نابلد نہیں تو کم از کم ان علوم کی معنویت سے دور ہیں اور حرمین میں یہ علوم ان کی کتابیں بالکل غیر متعارف ہیں۔ چنانچہ آپ نے کمر ہمت باندھی اور بخاری شریف کے علاوہ مختلف اوقات میں درسِ نظامیہ کی خاص کتابیں اور علومِ عقلیہ کی تدریس شروع فرمائی۔ ہندوستان سے کتابیں منگائیں۔ طلبہ کو ان علوم کا شوق دلایا تعارف کرایا۔ اور آج بھی مدرسہ صولتیہ کے کتب خانہ میں وہ کتابیں موجود ہیں۔ جن میں اب سے ایک صدی قبل کے علماء اور طلبہ نے حضرت مولانا سے انکا درس لیا اور حرم محترم کی علمی تاریخ میں چاند اور سورج بن کر چمکے۔ مکہ معظمہ کی علمی تاریخ میں وہ دن بھی تاریخی شمار ہوتا ہے۔ جب حضرت مولانا نے حجۃ اللہ البالغہ اور مقدمہ ابنِ خلدون کا درس شروع فرمایا۔ مدرسین اور طلباء کی جماعتیں پروانہ وار حلقۂ درس میں شریک ہونے لگیں۔ حرمین شریفین کی علمی تاریخ لکھنے والے تمام اہلِ فکر و نظر اس پر متفق ہیں کہ جزیرۃ العرب میں علومِ عقلیہ کا تعارف اور تدریس کا آغاز سب سے پہلے حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب نے فرمایا اور پھر مدرسہ صولتیہ کے ذریعہ یہ فیض جاری رہا۔

یہ کہنا بے محل نہ ہوگا کہ حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کی تمام علمی، دینی تصانیف اور جہادی خدمات کے ساتھ آپکا سب سے بڑا کارنامہ ارض حرم پر "مدرسہ صولتیہ" ہے۔ یہ حقیقت بہت سے حضرات کے علم میں نہیں کہ مکہ معظمہ میں اب سے ایک سو بیس سال قبل کوئی علمی ادارہ یا مدرسہ نہیں تھا۔ ۱۲۸۵ھ میں ۲۷ رجب کی صبح کو حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب نے کعبہ معظمہ کے سامنے "مدرسۂ ہندیہ" کے نام سے ایک مدرسہ قائم فرمایا۔ یہ مدرسہ ۱۲۹۰ھ تک مسجدِ حرم اور محلہ شامیہ مکہ مکرمہ کے ایک مکان میں خدمتِ تعلیم انجام دیتا رہا آخر قدرت کی طرف محسنۂ زماں صولۃ النساء بیگم کی قسمت میں یہ سعادت لکھی ہوئی تھی۔ آپ کلکتہ کی صاحب خیر اور صاحبِ ثروت خاتون تھیں۔ ۱۲۸۹ھ میں اپنے داماد کے ہمراہ حج کو گئیں۔ حضرت مولانا کے نام نامی اور ہندوستان میں ان کی شہرت اور کارناموں سے واقف تھیں۔ انہوں نے حضرت مولانا کے مدرسہ کو دیکھا خیر پسندی دل زبہ پیدا ہوا اور مدرسہ کی تعمیر کے لئے گرانقدر رقم اس زمانہ کے تیس ہزار روپے پیش کئے۔ زمین خریدی گئی ت کا آغاز ہوا اور حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب نے کمال مروت اور اعترافِ احساس کے طور پر اپنے مدرسہ کا نام بدل کر اس محسنہ کے نام پر "صولتیہ" رکھا اور ماہ محرم ۱۲۹۱ھ سے اس میں باقاعدہ درس و تدریس کا فیض جاری ہوا جو الحمد للہ آج تک نہ صرف جاری و ساری ہے۔ بلکہ مدرسہ صولتیہ ایک بین الاسلامی

ادارہ اور مرکز کی حیثیت رکھتا ہے۔

مدرسہ صولتیہ کیا ہے؟ مدرسہ صولتیہ ایک مستقل تاریخ ہے۔ ایک مستقل تحریک ہے ایک منفرد مقصد کے لئے ارض حرم پر مسلمانوں کی منزل مقصود ہے۔ جو الحمدللہ اپنی راہ پر گامزن ہے۔ اس طرح اگر مولانا رحمت اللہ کے "مدرسۂ ہندیہ" سے موجودہ "مدرسہ صولتیہ" کی عمر کا حساب لگایا جائے تو اس چشمۂ رحمت کا ایک سو سولہواں [۱۱۶] سال ہے۔

میرے واجب الاحترام بزرگ الحاج مولانا امداد صابری صاحب نے اپنے والد ماجد مبلغ اسلام حضرت مولانا شاہ شرف الحق صاحب صدیقی دہلوی کی حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب سے نسبت تلمذ اور ایک سو سالہ دیرینہ قلبی و روحانی تعلق کی بنا پر یہ تقریب منعقد کی جس میں حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب اور مدرسہ صولتیہ کے متعلق ان کی تصنیف "آثار رحمت" بھی آپ حضرات کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔

میں عمومی اور خصوصی طور پر اپنی اور آپ سب حضرات اس تاریخ سے دلچسپی رکھتے ہوں وہ مولانا امداد صابری کی "آثار رحمت" اور ان کی دوسری بے مثل تصنیف "جہاد آزادی کے روشن چراغ" مطالعہ فرمائیں۔

اشتہار نیلام

مندرجہ ذیل مقامات پر سامنے دی ہوئی تاریخوں کو شیشم، غز وغیرہ کی عمارتی لکڑی، سوختنی کثیر تعداد میں لاٹوں کی شکل میں نیلام کی جاوے گی۔ خواہشمند حضرات موقع پر آکر بولی دے سکتے ہیں۔ مزید معلومات دفتر زیر دستخطی سے کسی بھی دن دوران اوقات کار معلوم کر سکتے ہیں۔

نمبر شمار	نام ڈپو	تاریخ نیلام	
۱	چارسدہ شوگر ملز	۱۷-۵-۱۹۸۰	۱۰ بجے صبح
۲	میاں کلے (چارسدہ مردان روڈ)	۱۸-۵-۱۹۸۰	-۔-
۳	نشتر آباد فارسٹ ڈپو	۱۹-۵-۱۹۸۰	-۔-
۴	ناگمان	۲۰، ۲۱-۵-۱۹۸۰	-۔-

دیگر شرائط موقع پر پڑھ کر سنائی جائیں گی۔

المشتہر
امان اللہ خان
ڈویژنل فارسٹ آفیسر
پشاور فارسٹ ڈویژن نوشہرہ

INF (P) 1066